AL-AẒWĀ الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 54, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

غزوات وسرایا کی مادی تعبیرات۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ

The Materialistic Interpretations of the Wars Fought in the Life of Prophet Muḥammad (P.B.U.H.)… An Analytical Study

صباحت افضل*
ابو بکر**

Abstract:
The materialistic interpretation of historical incidents has become an established method of interpreting history not for the historians but also for those Orientalists who often appear to explain the important incidents of Islamic history in the light of historical materialism. In this article an attempt has been made to analyze the views of those Orientalists who have tried to interpret the wars fought in the life of Holy Prophet Muḥammad (S.A.W) on materialistic grounds and have tried to prove that the real purpose of Prophet's struggle was to establish his own rule in an independent state where all his desires could be fulfilled without any opposition. Writers, who try to fit the life and teachings of the Prophet (S.A.W) in the frame of historical materialism, appear to overlook the very essence of his teachings. While applying such ideas to the life of the Prophet, some Orientalists even try to smear his character by saying that the purpose of all his struggles was to gain power and authority which he finally achieved in Madīnah. In this research paper the views of such writers (who either try to prove Prophet Muḥammad (S.A.W) a power thirsty warrior or portray him as a common man, overpowered by his desires) have been analyzed in the light of historical facts, Qur'ān and Ḥadīth.

Keywords: Prophet of Islam; Wars fought in Prophetic Era; Orientalists; Materialistic Interpretation of Sīrah.

غزوات وسرایا کی مادی تعبیرات سے مراد عہد نبوی ﷺ میں لڑی گئی جنگوں کی ایسی تعبیرات ہیں جن کی روسے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ تمام جنگیں خالصتاً مادی اور دنیوی اغراض کے تحت لڑی گئی

* اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

تھیں۔ یہاں ان تمام غزوات و سرایا کو موضوع بحث بنانے کی بجائے صرف ان اہم غزوات وسرایا کا ذکر کیا جائے گا جن کی وضاحت مستشرقین کی اکثریت نے مادی افکار کی روشنی میں کی ہے اور انہیں لوٹ مار کی کاروائیوں سے تعبیر کیا ہے۔سب سے پہلے مستشرقین نے ہی اپنی تحریروں میں جہاد کے حوالے سے منفی خیالات پیش کئے اور حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے ہی سب سے پہلے جہاد کا تعلق اس تصور کے ساتھ جوڑا کہ یہ لوگوں پر زبردستی عقائد ٹھونسنے کی ایک کوشش ہے یا پھر بعض نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مسلمانوں کے کچھ معاشی مقاصد تھے جن کی بنا پر انہوں نے جہاد کے ذریعے بعض زرخیز علاقوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔توسیعِ اسلام کا اگر تاریخی طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حالت امن میں جس قدر لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں، حالت جنگ میں نہیں ہوئے۔مثلاً صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہونے والوں کی تعداد، اس سے قبل دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔اسی طرح مسلمانوں کے فوجی وسیاسی انحطاط کے وقت سے لے کر آج تک توسیع اسلام کا سلسلہ جاری وساری ہے۔اسی وجہ سے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا، یا یہ کہ اسلام نے قتال کا لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے استعمال کیا۔ کارلائل(Thomas Carlyle) بظاہر اپنی کتاب میں آپؐ کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، تاہم، ڈھکے چھپے انداز میں یہی پیغام دیتے نظر آتے ہیں کہ اسلام نے، عیسائیت کے برعکس، اپنی ترویج کے لئے تلوار کا سہارا لیا۔وہ لکھتا ہے:

> Much has been said of Mahomet's propagating his Religion by the sword. It is no doubt far nobler what we have to boast of the Christian Religion, that it propagated itself peaceably in the way of preaching and conviction.[1]

> محمد (ﷺ) کے تلوار کے ذریعے اپنے مذہب کے پرچار کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ عیسائی مذہب کے بارے میں ہم جو بات کہہ سکتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ اچھی ہے اور وہ یہ کہ عیسائیت کی اشاعت تبلیغ اور مضبوط عقیدے کے ذریعے ہوئی۔

اسی طرح جارج سیل(George Sale) بھی اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کو ایک پر امن مذہب قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہے:

> It is certainly one of the most convincing proofs that Moḥammadenism was no other than a human invention, that it owed its progress and establishment almost entirely to the sword; and it is one of the strongest demonstrations

of the divine origin of Christianity, that it prevailed against all the force and powers of the world by the mere dint of its own truth.[2]

اسلام کے انسانی ذہن کی اختراع ہونے کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ اسلام نے اپنی ترویج واشاعت کے لئے کلیتاً تلوار پر انحصار کیا اور عیسائیت کے الہامی دین ہونے کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ محض اپنی صداقت کے زور پر دنیا کی تمام طاقتوں کی مخالفت کے بوجود زندہ رہی۔

یہاں اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کے بارے میں جو دعویٰ کیا جارہا ہے اس کی حقیقت جاننے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ پندرہویں صدی کے آخر میں پیش آنے والا سقوط اندلس کا سانحہ عیسائیت کی "پرامن ترویج" کی ایک اہم مثال ہے جب مفتوح مسلمانوں کو مجبور کر دیا گیا کہ یا تو وہ عیسائیت قبول کر لیں یا اندلس چھوڑ دیں ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ تاریخ اسلام میں اس طرح کی کوئی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ جب کسی مسلم فاتح نے مفتوح قوم کو اسلام، جلاوطنی یا موت میں سے کوئی ایک چیز چننے کا اختیار دیا ہو۔ پھر بھی کارلائل جیسے "معتدل" خیالات کے حامل مصنف یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ عیسائیت کی تاریخ اسلام کے مقابلے میں کہیں زیادہ پرامن ہے۔

گولڈ زیہر (Ignaz Goldziher) ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک منتقم المزاج جنگجو کہتے ہوئے، جنگ میں پہل کرنے کا ذمہ دار قرار دیتے نظر آتا ہے:

It was in Medīna that Islam took shape as an institution, and at the same time as a fighting organization whose war trumpet sounds through the whole later history of Islam. The erstwhile devoted martyr, who had preached patient submission to his faithful Meccan followers scorned by their fellow citizens, is now organizing warlike undertakings.[3]

یہ مدینہ تھا جہاں اسلام نے ایک باقاعدہ ادارے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی تنظیم کی شکل اختیار کرلی جس کے طبل جنگ کی گونج بعد ازاں پوری اسلامی تاریخ میں سنائی دیتی ہے۔ وہ جو اب تک ایک یکسو جانثار تھا جس نے اپنے وفادار مکی پیروکاروں کو جو اپنے ساتھی شہریوں کے غم وغصے کا شکار تھے، صبر کے ساتھ جھکے رہنے کی تلقین کی تھی، اب جنگوں جیسی مہمات کی تیاری کر رہا تھا۔

گویا مصنف کے نزدیک مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہی جارحانہ اقدامات میں پہل کی اور ان اقدامات کے پس منظر میں مال غنیمت کا حصول اور اپنی سیاسی قوت میں اضافے جیسے عوامل کارفرما تھے۔

ذیلی صفحات میں غزوات و سرایا کے حوالے سے مستشرقین کی ان مادی تعبیرات و اعتراضات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

غزوات و سرایا کو لوٹ مار کی کاروائیاں قرار دینا

رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے دفاع کے لئے مختلف مقاصد کے تحت مہمات بھیجنے کا جو نظام وضع فرمایا تھا، مستشرقین انہیں رہزنی قرار دیتے ہیں۔ وہ اہل مکہ کی تیرہ سالہ کاروائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کفار مکہ کے مظالم اور جارحیت کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے کئے گئے اقدامات کو جارحانہ کاروائیاں قرار دیتے ہیں۔ وہ غزوات کے بیان میں تمام روشن پہلوؤں (مثلاً اسیروں کے ساتھ حسن سلوک، عورتوں اور بچوں سے عدم تعارض اور عفو در گزر وغیرہ) کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور چند نکات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو قاتلوں اور لٹیروں کا ایک گروہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر مستشرقین غزوات و سرایا کی یہ مادی تعبیر کرتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین کی آمدن کا طریقہ وضع کرنے کے لئے یہ جنگیں (ان کے نزدیک لوٹ مار کی کاروائیاں) لڑی گئیں۔ مکی کاروانوں سے تعارض کو مستشرقین نے لوٹ مار سے تعبیر کیا ہے ۔ڈی ایس مارگولیتھ (D.S. Margoliouth) بعد از ہجرت رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ کو رہزنوں کا سردار قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> ہم نہیں جانتے کہ مدینہ ہجرت کرتے وقت محمد (ﷺ) پہلے سے جانتے تھے کہ وہ رہزنوں کے سردار کا کردار ادا کریں گے؛تاہم قبیلہ اسلم کے رہزنوں کو اپنے ساتھ ملانے، میثاق (مدینہ) کی شرائط طے پانے اور اہل مکہ کے ساتھ تمام دوستانہ تعلقات ختم کرنے کے بعد، اس بات کا زیادہ امکان محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت بھی انہیں اس بات کی امید تھی کہ انہیں قافلوں کو لوٹنے پر انحصار کرنا پڑے گا۔ چونکہ وہ اکثر ایسے (تجارتی) قافلوں کا حصہ رہے تھے، اس لئے وہ ان پر حملہ کرنے کا بہترین طریقہ جانتے تھے۔[4]

گولڈ زیہر غزوات و سرایا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ شخص جو دنیوی مال و متاع کو ناپسند کرتا تھا اب جنگوں سے ملنے والی لوٹ اور وراثت و جائیداد کے قوانین اپنے ہاتھ میں لینے لگا۔[5] ایک اور مقام پر وہ لکھتا ہے :

> دنیوی معاملات کے ساتھ وابستگی، جنگ کے لئے مسلسل تیار رہنے کی کیفیت، محمد (ﷺ) کی زندگی کے دوسرے حصے کا بنیادی ڈھانچہ تیار کرتی ہے کیونکہ ان کا کردار دنیوی خواہشات سے آلودہ ہو گیا تھا، (ان تمام باتوں نے) ان کے اعلیٰ مذہبی تصورات کی بیرونی ساخت پر بھی اثر ڈالا۔ جنگ کو بطور

وسیلہ اور فتح کو بطور مقصدِ نبوت منتخب کرنے سے ان کا تصور الوہیت بھی متاثر ہوا، اس خدا کو اب وہ ہتھیاروں کا سہارا لے کر طاقت کا لباس پہنانا چاہتے تھے۔[6]

گرونیبوم (Gustav E Von Grunebaum) غزوات کو مہاجرین کی معاشی مدد کے لئے اختیار کی گئی حکمت عملی قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

اپنے نصب العین کو حاصل کرنے اور ایک منتشر برادری کو متحد کرنے کے لئے محمد (ﷺ) کو مہاجرین اور انصار کے مابین ایک ہم آہنگ تعاون چاہیے تھا، نتیجتاً اس کے لئے مکی قافلوں پر حملوں کے ذریعے حاصل کردہ اقتصادی خود مختاری کی ضرورت تھی۔[7]

طور اینڈرے (Tor Andrae) کے خیال میں بھی رسول اللہ ﷺ کے غزوات درحقیقت ویسی ہی لوٹ مار کی کاروائیاں تھیں جیسے باقی عرب بدو سرانجام دیتے تھے۔ وہ اسے منصب نبوت کے منافی قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے: "ایسے شخص کے لئے جو اخلاقی اور مذہبی شخصیت کے طور پر محمد (ﷺ) کی ذات سے انصاف کرنا چاہتا ہے، یہ بات کچھ مایوس کن ہے کہ انہوں نے تقریباً فوراً ہی اس تصور کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ ایک ایسے پیشے سے مدد حاصل کریں جو آج بھی کئی بدوؤں کے لئے آمدن کا فطری ذریعہ ہے، یعنی، راہزنی۔ اس حقیقت کے علاوہ کہ عرب میں رہزنی ہمیشہ سے تقریباً اعلانیہ طور پر ایک جائز پیشہ اور آمدنی کا ایک ذریعہ سمجھی جاتی رہی ہے، آپؐ کے دفاع میں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اپنے آبائی شہر سے نکالے جانے کی وجہ سے انتقام کا خیال (ان کے لئے) بالکل فطری اور واضح تھا"۔[8]

منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) مال غنیمت کو جہاد کا اصل محرک قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہے:

محمد (ﷺ) کو باقاعدہ فتوحات ملنے سے اور ان کی عزت وطاقت میں اضافے سے، یہ معاشی عنصر نسبتاً اہمیت اختیار کر گیا۔ مہمات میں شریک ہونے اور مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لئے بدوی قبائل مدینہ کی طرف مائل ہونے لگے محمد (ﷺ) کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے خاندان اور پورے کے پورے قبائل ان سے تحفظ کے طلبگار ہونے لگے اور اس کے بدلے میں وہ (آپؐ) کسی نہ کسی صورت میں جو معاوضہ ان سے مانگتے تھے وہ ان کی قائم کردہ ریاست کے مالی اخراجات پورے کرنے میں مددگار ہوتا تھا۔[9]

اکثر مستشرقین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ان جنگوں کے ذریعے مہاجرین کی مالی امداد مقصود تھی ،برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) کا اس حوالے سے کہنا ہے: "معاشی طور پر غیر مستحکم مہاجرین جو مکمل طور پر

اہل مدینہ پر انحصار نہیں کرنا چاہتے تھے رہزنی کے کے پیشے کی طرف مائل ہوگئے۔ تجارتی قافلوں پر حملوں میں اپنے پیروکاروں کی قیادت کرتے ہوئے رسولِ خدا کے اس نظارے پر یورپی مصنفین نے بجا طور پر غصے کا اظہار کیا ہے، تاہم، اس زمانے کے حالات اور اہل عرب کے اخلاقی تصورات کے مطابق رہزنی ایک فطری اور جائز پیشہ سمجھا جاتا تھا اور پیغمبر کا یہ پیشہ اپنانا بھی معیوب نہیں سمجھا جائے گا۔[10]

منٹگمری واٹ نے بھی سیرت طیبہ کے بارے میں لکھی گئی اپنی مختلف کتب میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا، اس لئے انہوں نے اہل عرب کے دستور کے مطابق تجارتی قافلوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کرلیا۔[11] منٹگمری واٹ تو یہ تاثر دیتے نظر آتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد سول اللہ ﷺ کی تمام اہم پالیسیوں کا مقصد قریش کی تجارتی خوشحالی کے اثرات کو مدینہ منتقل کرنا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے گردونواح کے قبائل سے امن کے معاہدے کرنے کے پس منظر میں بھی یہ مقصد کارفرما تھا کہ آپؐ ان کے ساتھ مل کر قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ کر سکیں، وہ لکھتا ہے:

> ہمارے ذرائع سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ شمالی قبائل میں محمد (ﷺ) کے دلچسپی لینے کی وجہ ان کا اسلام میں دلچسپی ظاہر کرنا تھا۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اس کی وجہ مکی معیشت میں شامی تجارت کی اہمیت تھی۔ مکی قافلوں پر اپنے حملوں کے ذریعے انہوں نے شمال کی طرف مکی (قافلوں کا) راستہ بند کردیا تھا، اگر محمد (ﷺ) چاہتے تو شمالی قبائل کے ساتھ اتحاد سے یہ بندش مزید سخت کی جاسکتی تھی۔ زید اور عبدالرحمٰن کی مہمات کا منصوبہ غالباً شامی تجارت کا ایک حصہ مدینہ لانے کے لئے ہی بنایا گیا تھا۔ یہ تجارت شاید مدنی زندگی میں اس سے کہیں زیادہ اہم تھی جتنی ہمارے ذرائع ظاہر کرتے ہیں۔ چونکہ کششِ اسلام کے باعث اس نخلستانی خطے کی آبادی میں اضافہ ہوگیا تھا، اس بات کا کافی امکان تھا کہ خوراک کی درآمد ضروری ہو جائے گی۔[12]

یعنی یہ تمام مہمات لوٹ مار کی کاروائیاں تھیں، جن کا مقصد تھا غیر ضروری خطرات مول لئے بغیر مال غنیمت اکٹھا کرنا۔ ایک اور مقام پر غزوات کو لوٹ مار کا وسیلہ قرار دیتے ہوئے منٹگمری واٹ لکھتا ہے کہ خواہ محمد (ﷺ) نے اپنے پیروکاروں کو جارحیت پر ابھارا ہو اور پھر ان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو اس عمل کو جواز مہیا کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا انہوں نے اپنے پیروکاروں کی طرف سے اس عمل کی اجازت دینے کے مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہوں، دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے ہاں معروف ڈاکہ زنی کے عمل کو امت مسلمہ نے اپنالیا اور اس عمل کو اپنا لینے کے بعد انہوں نے اس کی ہیئت تبدیل کردی۔ اس طرح

یہ ایک ایسا عمل بن گیا جو مومن کافروں کے خلاف سر انجام دیتے تھے اور اسے ایک مذہبی حیثیت حاصل ہو گئی۔ واٹ کے بقول "لوٹ مار کی کاروائی سے جہاد تک کی تبدیلی محض ایک نام کی تبدیلی ہے، اصلاً ایک ہی نوعیت رکھنے والی سر گرمی کو مذہبی تاثر دے دیا گیا ہے"۔[13]

مشہور مستشرق کیرن آرمسٹرانگ بھی غزوات و سرایا کو مہاجرین کی مالی امداد کے لئے اختیار کیا گیا ایک طریقہ قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ مہاجرین کو زراعت کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور بہر صورت تمام موجودہ زمین کسی نہ کسی کی ملکیت تھی۔ اگر وہ اپنے لئے آمدن کا کوئی خود مختار ذریعہ نہ ڈھونڈ لیتے تو انصار پر بوجھ بن جاتے اور اس ذریعہ آمدن کے حصول کا ایک ہی طریقہ تھا.... محمد (ﷺ) نے مدینہ آنے کے کچھ عرصے بعد ہی مہاجرین کے گروہوں کو ایسی حملہ آور کاروائیوں کے لئے بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ ان کاروائیوں کا مقصد خون بہانا نہیں تھا بلکہ اونٹوں، تجارتی سامان اور تاوان کی خاطر پکڑے گئے قیدیوں کے ذریعے آمدن کا حصول تھا۔ کوئی بھی اس تبدیلی پر خصوصی طور پر حیران نہ ہوتا۔ غزوہ (لڑائی) مشکل حالات میں کسی شے کے حصول کا ایک عام ذریعہ تھا، اگرچہ بعض عرب مسلمانوں کی طاقتور قریش کے مقابلے میں دکھائی گئی جرات پر حیران تھے، خاص طور پر اس لئے کہ یہ جنگجو واضح طور پر ناتجربہ کار تھے۔[14]

مال غنیمت کی تفصیل: ان تمام آراء کو جاننے کے بعد یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ کے کتنے تجارتی قافلوں سے تعارض کیا گیا اور کتنے کارواں ایسے تھے جن سے کچھ مال غنیمت ملا۔ مدنی دور میں قریش کے خلاف جتنی بھی کاروائیاں کی گئیں، ان کی مختصر تفصیل ذیلی جدول میں دی جاتی ہے:

نمبر شمار	مہم	سن ہجری	نتیجہ
1	سیف البحر	1	جنگ نہیں ہوئی [15]
2	سریہ عبیدہ بن حارث	1	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے علاوہ کسی نے تیر نہیں چلایا، کوئی جانی نقصان نہیں ہوا[16]
3	الخرار	1	جنگ نہیں ہوئی[17]
4	الابواء	2	مقابلہ نہیں ہوا[18]
5	بواط	2	مقابلہ نہیں ہوا[19]
6	صفوان	2	دشمن بچ کر نکل گیا[20]
7	ذوالعشیرۃ	2	مقابلہ نہیں ہوا[21]

8	نخلہ	2	مال غنیمت ہاتھ آیا[22]
9	بدر	2	شاندار فتح، مال غنیمت کا حصول[23]
10	سویق	2	دشمن فرار ہو گیا[24]
11	قردہ	3	کارواں گرفتار ہوا[25]
12	احد	3	مسلمانوں کا نقصان[26]
13	حمراء الاسد	3	دشمن نے پسپائی اختیار کی[27]
14	بدر الموعد	4	مقابلہ نہیں ہوا[28]
15	احزاب	5	دشمن نے پسپائی اختیار کی[29]
16	العس	6	کارواں گرفتار ہوا[30]
17	فتح مکہ	8	فتح مبین، عام معافی کا اعلان[31]

اس جدول سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ قریش کے خلاف آٹھ سالوں میں کل سترہ چھوٹی بڑی کاروائیاں کی گئیں۔ان میں سے گیارہ کاروائیاں ایسی تھیں جن میں کسی قسم کا مقابلہ ہی نہیں ہوا۔چار مہمات (بدر، احد، حمراء الاسد، احزاب) دفاعی نوعیت کی تھیں جن میں سے صرف ایک ، یعنی غزورہ بدر میں مال غنیمت ملا۔اور یہ مال غنیمت مقتولین یا اسیروں کے ہتھیار تھے یا سواریاں تھیں ۔نخلہ کی مہم مکہ کے ارد گرد قریش کی معاندانہ کاروائیوں کا پتہ چلانے کے لئے بھیجی گئی تھی۔جن غزوات وسرایا میں مسلمانوں کے ہاتھ کافروں کا مال لگا تھا، ان کی تعداد بالکل معمولی ہے۔سریہ نخلہ میں پہلی بار مسلمانوں کے ہاتھ کافروں کا مال لگا تھا۔یہ واقعہ ہجرت کے سترہ ماہ بعد پیش آیا تھا۔اگر مستشرقین کی منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ اگر لوٹ مار پر ہی مہاجرین کی گزر بسر کا انحصار تھا تو وہ سترہ ماہ تک کیسے زندہ رہے تھے؟[32]

حقیقت یہ کہ باہم برسرپیکار اقوام ہر دور میں ایک دوسرے کو پسپا کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتی ہیں جو اس دور کے تقاضوں کے مطابق بالکل درست سمجھے جاتے ہیں۔مثال کے طور پر جدید دور میں جنگ کی صورت میں دو ملک بعض اوقات ایک دوسرے کی برآمدات کا بائیکاٹ کر کے اسے معاشی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔بعض اوقات ایک ملک خود ہی دوسرے ملک کو اپنی اشیاء کی برآمدگی روک دیتا ہے۔حتیٰ کہ اقوام متحدہ جیسا ادارہ بھی ایک ملک کے معاشی بائیکاٹ کی صورت میں وہاں ضروری ادویہ کی عدم فراہمی کے بارے میں خاموش رہتا ہے۔غور کیا جائے تو دور جدید کے یہ جنگی ہتھکنڈے قدیم زمانے کی جنگی پالیسیوں سے

کہیں زیادہ خوفناک اور بھیانک ہیں جن کی زد میں آکر ہزاروں معصوم بچے بھی لقمۂ اجل بن جائیں تو بھی عالمی ضمیر میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی۔اس کے مقابلے میں دور نبوی کی وہ چند کاروائیاں جو قریش ہی کے جارحانہ رویئے کے سد باب کے لئے اختیار کی گئیں، کیسے ظالمانہ اور ناحق قرار دی جاسکتی ہیں؟

لوٹ مار کا الزام لگانے والے اس بارے میں کیا کہیں گے کہ یہی لوگ جو بقول ان کے اپنی قوم کو تو لوٹ رہے تھے جب ایران و شام جیسی عظیم سلطنتوں کو فتح کرتے ہیں تو وہاں نہ کوئی ناحق قتل کرتے ہیں نہ لوٹ مار۔ یہاں تک کہ اگر کسی مفتوحہ شہر کو دفاعی حکمت عملی کے تحت چھوڑنا پڑا تو وصول کیا ہوا جزیہ تک لوٹا دیا۔اگر یہ گروہ لٹیرا تھا تو ان سے ایسے بلند اخلاقی معیار کا اظہار کیونکر ممکن ہوا؟اقتدار اور فتح کا نشہ ہر بری نیت اور ارادے کا فاش کر دیتا ہے۔کیا وجہ ہے کہ فتح مکہ جیسے عظیم الشان موقع پر بھی مسلمان لوٹ مار کرنا تو درکنار اپنی پرانی جائیدادوں کو واپس لینے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ایسا اخلاق کسی لٹیرے گروہ کی خاصیت نہیں ہو سکتا۔

لوٹ مار کی اس غلط فہمی کی وجہ کتب سیرت واحادیث کی بعض روایات بھی ہیں۔امام بخاری نے حضرت کعب بن مالکؓ سے جنگ بدر کی روایت یوں بیان کی ہے:

(لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا إِلَّا فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، غَيْرَ أَنِّي تَخَلَّفْتُ عَنْ غَزْوَةِ بَدْرٍ، وَلَمْ يُعَاتَبْ أَحَدٌ تَخَلَّفَ عَنْهَا، إِنَّمَا «خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ عِيرَ قُرَيْشٍ)[33]

میں غزوہ تبوک کے سوا رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوے سے پیچھے نہیں رہا، سوائے غزوہ بدر کے، میں پیچھے رہ گیا اور رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر سے پیچھے رہ جانے والے کسی شخص کو کوئی سزا نہیں دی۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلے کی نیت سے نکلے تھے۔

یہ نیت کیا تھی؟ کیا مقصد محض قافلے کو لوٹنا تھا؟ تاریخی حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ کا قافلے کے مال پر حملے کے ارادے سے نکلنا بھی ''رہزنی'' کے ارادے سے نکلنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔قبل از اسلام عرب کا عام دستور تھا کہ وہ اپنے تجارتی قافلوں کے لئے علاقے کے قبائل سے حفاظت طلب کرتے تھے،جس کے لئے مناسب معاوضہ دیا کرتے تھے۔[34] ہر علاقے میں بسنے والا قبیلہ خود مختار تھا جو اپنے حلیفوں کو اپنے علاقے سے تجارتی قافلوں کو بحفاظت لے جانے کی اجازت دیتا تھا۔مکہ کے تاجر تو اپنی جگہ، عرب حکمرانوں تک کو ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اپنے تجارتی قافلوں کی حفاظت کی ذمہ داری کسی نہ کسی بڑے قبیلے کو سونپیں۔چنانچہ حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر نے بازار عکاظ میں جب اپنا تجارتی کارواں روانہ کرنا چاہا تو بنی کنانہ اور بنی قیس سے سوال کیا کہ ''تم میں سے ایسا بہادر شخص کون ہے جو میرے کارواں کو عکاظ تک لے جائے

اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہو۔ میں اس خدمت کا معقول معاوضہ ادا کروں گا۔ قبیلہ کنانہ کے ایک شخص براض نے یہ ذمہ داری قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص عروہ کھڑا ہوا اور اس نے نہ صرف بنی کنانہ بلکہ پورے عرب کے مقابلے میں ذمہ داری قبول کرنے کا دعویٰ کیا۔ عروہ بنی قیس سے تعلق رکھتا تھا۔ نعمان نے عروہ کی پیشکش قبول کر کے کارواں اس کی نگرانی میں روانہ کیا۔ بنی کنانہ نے عروہ کو قتل کر کے اس کارواں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں جنگ فجار رونما ہوئی۔ یہ واقعہ بعثت نبوی سے بیس بائیس سال پہلے ہوا۔[35]

اس واقعے سے چند نہایت اہم پہلو واضح ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ ہر علاقے پر قبائلی اقتدار مسلم تھا، اور کسی قبیلے کے علاقے سے کسی دوسرے قبیلے کا تجارتی قافلہ اجازت اور منظوری کے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔ دوم یہ کہ اس اجازت اور منظوری کے عوض معاوضہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس صورتحال کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ تجارتی کاروانوں کی آمدورفت کے لئے علاقائی معاہدے ہوتے تھے اور صرف معاہدے کی منظوری اور باقاعدہ معاوضے کی ادائیگی کے بعد ہی بیرونی کاروانوں کو یہ حق پہنچتا تھا کہ علاقائی حدود میں سے گزر سکیں۔

ہجرت کے بعد مدینے میں ایک ریاست قائم ہو چکی تھی۔ اس ریاست کے ساتھ مدینے کے آس پاس کے قبائل الحاق کر چکے تھے۔ قریش اس ریاست کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس کی حدود کی خلاف ورزی پر تلے ہوئے تھے۔ جب معمولی قبائل کا یہ حق تھا کہ ان کی منظوری کے بغیر ان کے علاقے سے کاروانِ تجارت نہ گزرے تو اسلامی ریاست کو بھی یہ حق تھا کہ وہ دشمن کو اپنے علاقے میں داخل ہونے سے بزور شمشیر روکے۔

مستشرقین کا یہ مفروضہ کہ مہاجرین کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اس لئے وہ قافلوں کو لوٹنے پر مجبور ہوئے اس بنا پر بھی غلط ہے کہ ان میں سے متعدد مہمات مختلف قبائل کے ساتھ معاہدوں پر منتج ہوئیں۔ جو لوگ لوٹنے کے ارادے سے نکلیں، وہ امن کا معاہدہ کر کے گھروں کو نہیں لوٹتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنی گزر بسر کے لئے تجارتی قافلوں کے مال کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ انہوں نے حالات کے مطابق تجارت اور محنت مزدوری کر کے حلال رزق کمانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔[36] انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کی معاشی امداد کے لئے بے مثال ایثار کیا تھا۔ (یہاں تک کہ مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے عرض کیا کہ ہم نے انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے، وہ بہترین لوگ ہیں۔ اگر ان کے پاس تھوڑا ہو تب بھی وہ مدد کرنے سے نہیں چوکتے اور اگر ان کے پاس زیادہ ہو تب بھی ایثار میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ انہوں نے ہر ضرورت میں بڑھ چڑھ کر ہماری مدد کی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی خوشیوں میں ہمیں اس حد تک شریک کیا ہے کہ ہمیں لگتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے ہاں تمام اجر و ثواب کے مستحق وہی قرار پائیں گے۔[37] لہٰذا ان حالات میں یہ کہنا کہ مہاجرین اپنی گزر بسر کے لئے تجارتی قافلے لوٹنے پر مجبور ہو گئے تھے، کسی بھی طرح درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ پر جارحیت کے الزامات

مستشرقین بعد از ہجرت قریش کی زبانی اور عملی جارحیت کو تو سراسر نظر انداز کر دیتے ہیں، البتہ اس جارحانہ طرزِ عمل کے مقابلے میں مسلمانوں نے جو دفاعی حکمت عملی اپنائی اسے قریش کے خلاف کھلی جارحیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً مستشرق جارج سیل یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے پیروکاروں نے تیرہ سال اہل مکہ کے مظالم کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ مکی دور میں جو لوگ بھی مسلمان ہوئے وہ کسی جبر کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تبلیغ پر مسلمان ہوئے۔ لیکن پھر یہ کہہ کر مسلمانوں کے تیرہ سالہ صبر و برداشت کی نفی کر دیتے ہیں کہ اس دور میں مسلمانوں کے ہتھیار نہ اٹھانے کا سبب صرف ان کی عدم استطاعت اور کفار کے مقابلے میں ان کا کمزور ہونا تھا۔ جوں ہی ان کے پاس طاقت آ گئی، انہوں نے جارحانہ رویہ اختیار کر لیا۔ ایچ اے آر گِب قریش کا تجارتی راستہ بند کرنے کی وجہ آپؐ کی اس خواہش کو قرار دیتے ہیں کہ آپؐ قریش کو اشتعال دلا کر جنگ پر مجبور کرنا چاہتے تھے وہ لکھتے ہیں کہ مدینہ میں انہوں نے مکہ کا شمال کی طرف اہم تجارتی راستہ بند کر دیا۔ بدوی قبائل کے خلاف ان کی ساری سرگرمیاں اس عظیم منصوبے کا حصہ معلوم ہوتی ہیں، جس کا مظاہرہ انہوں نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھرپور صلاحیت اور بصیرت کے ساتھ کیا تاکہ مکہ کا تجارتی راستہ بند کر کے اسے جھکنے پر مجبور کر دیا جائے۔ انہیں یقیناً اس بات کا اندازہ ہو گا کہ ایسا کرنے سے مسلح جنگ کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ تین بڑی جنگیں، بدر، احد، خندق اس قدر اہم نہیں جتنا کہ مسلم روایات میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ محمد (ﷺ) کیلئے اصل کام مکہ کو جھکنے پر مجبور کرنا تھا۔ اور ان کی غیر معمولی سیاسی صلاحیت کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف مکہ کو سات سال کے عرصے میں فتح کر لیا بلکہ اس طور پر فتح کیا کہ وہ شکست خوردہ اور ناراض دشمن کے طور پر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی سے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔[38]

منٹگمری واٹ مدنی دور کی ابتداء میں بھیجے گئے سرایا کے اسباب بیان کرتے ہوئے یہ نقطہ نظر پیش کرتا ہے کہ اہل عرب چونکہ باہم جنگ وجدل کئے بغیر رہ نہیں سکتے تھے، اس لئے حضرت محمد (ﷺ) نے ان کی جنگجو صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا یہ حل نکالا کہ انہیں قریش کے شامی قافلوں پر حملوں میں استعمال کیا جائے۔ جہاد کو اہل عرب کی جنگجو فطرت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

غالباً مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے آپؐ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ عربوں کے لوٹ مار اور غارت گری کے رجحانات کا رخ خارج کی طرف موڑنا ضروری تھا، ان پر امن علاقوں کی طرف جو عرب سے ملحق تھے۔اور غالباً اپنی مملکت کی حدود کو وسیع کرنے کی خاطر، شام کے راستے پر آپؐ کی خصوصی نظر ہو گی۔[39]

ایک اور مقام پر یہی مصنف بہت کھل کر کہتا ہے کہ یہ ہجرت مدینہ کے بعد حضرت محمد ﷺ کی سرگرمیاں ہی تھیں جنہوں نے قریش کو (جنگ پر) اکسایا۔[40]

ایک اور مصنف سی آر نارتھ (C.R. North) لکھتا ہے کہ محمد (ﷺ) کی اپنے شہر میں پریشان کن موجودگی سے نجات حاصل کرنے کے بعد اہل مکہ خوشی سے انہیں ان کے معاملات میں اکیلا چھوڑ سکتے تھے۔تاہم محمد (ﷺ) کے اس اعلان سے کہ مذہب کی خاطر جنگ کرنا جائز تھا اور یہ کہ ایسی جنگ میں سب کچھ جائز تھا، اہل مکہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ وہ ان سے دشمنی اختیار کرلیں۔[41]

گولڈ زیہر تو ایک مقام پر اس حد تک ہرزہ سرائی کرتا ہے کہ دنیا میں قتل و غارت کا بانی ہی آپؐ کو قرار دے ڈالا:

> He brought the sword into the world, and it is not only with the staff of his mouth that he smites the world, and not only with the breath of his lips that he kills the Godless, it is a true war trumpet which he sounds, it is the bloody sword which he wields to bring about his kingdom. According to an Islamic tradition giving a correct account of his life, he is said to be known in the Torah as "the prophet of battle and war".[42]

بالفاظ دیگر مصنف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف جنگ کا آغاز خود کیا بلکہ یہ جنگ وجدل اور اس کے ذریعے اپنی بادشاہت کا قیام ہی درحقیقت آپؐ کا اصل مقصد تھا۔

سریہ نخلہ وہ پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک کافر کا خون بہا۔کتبِ سیرت میں دی گئی تفصیل کے مطابق حضرت عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھی جب مال غنیمت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا :"میں نے تمھیں ماہ حرام میں کسی جنگ کرنے کا حکم تو نہیں دیا تھا۔"[43] آپؐ نے مال غنیمت لینے سے بھی انکار کردیا جب تک قرآن مجید کا یہ فیصلہ نہیں آگیا : ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ

عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[44]

رسول اللہ ﷺ نے اس حکم ربانی سے پہلے سریہ ٔ نخلہ میں پیش آنے والے قتل اور مال غنیمت کے حوالے جس ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اسے محض دکھاوا قرار دیتے ہوئے ایک مصنف لکھتا ہے: "محمد (ﷺ) نے یوں "ظاہر" کیا کہ جو ہوا وہ اس سے ناخوش تھے"۔[45]

بالفاظ دیگر رسول اللہ ﷺ وہ مال لینا چاہتے تھے مگر لوگوں کے سامنے اپنی ساکھ متاثر ہونے کے خدشے سے ایسا نہیں کیا۔ اور پھر ایک "نام نہاد" وحی کے ذریعے اسے اپنے لیے حلال ٹھہرالیا۔ مستشرقین کی ایسی تمام خیال آرائیوں کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) ہی قریش کے ساتھ جنگوں کے اس سلسلہ کا آغاز کرنے کے ذمہ دار ہیں جس کا انجام فتح مکہ کی صورت میں ہوا جو کہ حضرت محمد (ﷺ) کا اصل مطمع نظر تھا۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں مذکورہ بالا الزامات کا تجزیہ:

ایک طرف تو مستشرقین کے یہ مفروضے ہیں، دوسری طرف مندرجہ ذیل تاریخی حقائق ہیں جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان جنگوں کا حقیقی آغاز خود قریش نے ہی کیا تھا:

1. مکہ چھوڑ دینے کے باوجود قریش کی طرف سے آپؐ کی جان کو مسلسل خطرہ لاحق تھا۔ قریش کا غصہ اس بات پر اب اور بھی بڑھ چکا تھا کہ آپؐ اور باقی مسلمان ان کی گرفت سے آزاد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے عبد اللہ بن ابی کو ایک خط بھی لکھا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے نکالنے کا مطالبہ کیا تھا اور بصورت دیگر مدینہ پر حملہ کر کے ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے کی دھمکی دی تھی۔[46] یہ محض دھمکی نہیں تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو اتنے مؤکد طریقے سے قریش کے شر انگیز ارادوں کا علم ہو گیا تھا کہ آپؐ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا صحابہ کرامؓ کے پہرے میں سوتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ فرمایا: "کاش آج رات میرے صحابہؓ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا۔" ابھی ہم اس حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار سنائی پڑی۔ آپؐ نے فرمایا: "کون ہے؟" جواب آیا: "میں سعد بن ابی وقاص ہوںؓ، میں آپؐ کے یہاں پہرہ دینے آیا ہوں۔"[47] پہرے کا یہ انتظام صرف بعض راتوں تک مخصوص نہ تھا بلکہ یہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ یہ آیت نازل نہیں ہوگئی: وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[48] (اللہ تعالیٰ

آپؐ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔)اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو پہرہ دینے سے روک دیا۔[49]

قریش کی دھمکیاں اور ان سے متوقع خطرات صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھے بلکہ تمام مسلمانوں کی سلامتی مسلسل خطرے میں تھی۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے رفقاء مدینہ تشریف لائے ،اور انصار نے اپنے یہاں پناہ دی تو سارا عرب ان کے خلاف متحد ہو گیا۔ چنانچہ یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔[50]

قریش سے لاحق خطرات کے باعث رسول اللہ ﷺ نے یہ حکمت عملی اختیار فرمائی کہ قریش کی اس تجارتی شاہراہ پر قبضہ کر لیں جو مکے سے شام تک آتی جاتی تھی۔ مدینہ کے گردوپیش کے راستوں پر عموماً اور مکے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھنے کے لئے فوجی دستے بھیجے جانے لگے۔[51]

غور کیا جائے تو قریش سے ممکنہ خطرات کی وجہ سے آپؐ کا یہ طریقہ اختیار کرنا ہر لحاظ سے درست تھا۔ اس دور میں عرب کی خود مختاری کو مد نظر رکھتے ہوئے مکہ کو ایک ریاست اور مدینہ کو دوسری ریاست کے طور پر لیا جائے تو اس بات میں قطعاً کوئی قابل اعتراض بات محسوس نہیں ہوتی کہ ایک ریاست سے خطرات کے سبب دوسری ریاست اس کے بارے میں سخت اقدامات کرے۔ خود مستشرقین میں سے بعض اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اہل مکہ کے جارحانہ طرز عمل کے سبب یہ ابتدائی جنگیں لڑنا پڑیں۔ ایڈیتھ ہالینڈ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابتداء میں مؤمنین صرف اپنی بقا کے لئے لڑے، کیونکہ جس دھوکے و غداری کا انہیں ہر طرف سے سامنا تھا، (اس کے مقابلے میں) اگر وہ جرات کا مظاہرہ نہ کرتے تو ان کے دشمن ضرور ان پر غلبہ پا لیتے، جو تعداد میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔[52]

ایڈورڈ گبن مسلمانوں کی دفاعی حکمت عملی کی بظاہر حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فطری طور پر ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ ہتھیار کے ذریعے، اپنی ذات یا کسی اور شے کے ذریعے اپنا دفاع کرے، اپنے دشمن کے ظلم و تشدد کا جواب دینے کیلئے یا انہیں اس سے روکنے کے لئے ، نیز ایک معقول حد تک اطمینان اور بدلے کی خاطر اپنی معاندانہ سر گرمیوں کی توسیع کرے۔ عرب کے آزاد معاشرے میں عوام اور شہریوں کے فرائض (ایسی سر گرمیوں کی راہ میں) محض ایک کمزور سی رکاوٹ تھے۔ اپنے ہم وطنوں کی ناانصافی نے محمد (ﷺ) کو ایک پر امن اور فیض رساں پیغام کے نفاذ سے روک دیا تھا اور جلاوطن کر دیا تھا۔ خود مختار لوگوں کے انتخاب نے مکہ کے اس پناہ گزیں

کا مقام بلند کر کے اسے مقتدر اعلیٰ کا مقام عطا کر دیا تھا اور انہیں (قبائلی) اتحاد قائم کرنے اور دفاعی اور جارحانہ جنگیں لڑنے کے جائز اختیار بھی دے دیا تھا۔[53]

ٹامس کارلائل رسول اللہ کی جنگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحرا کے بیٹے نے ایک مرد اور ایک عرب کی طرح اپنا دفاع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سوچ لیا کہ اگر قریش اسی طرح سمجھتے ہیں تو انہیں اسی طرح سمجھنے دو۔ وہ پر امن طریقے سے دیئے گئے پیغام کو تشدد، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذریعے کچلنا چاہتے ہیں تو پھر ہم بھی لوٹ ہی کا طریقہ آزما کے دیکھتے ہیں۔[54] کیرن آرمسٹرانگ کے نزدیک حضرت محمد (ﷺ) جنگ کے حوالے سے عرب کے اصولوں میں بہتری لے کر آئے ورنہ عرب تو بلا سبب بھی جنگ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ آپؐ کے پیش کردہ مذہب میں تو مخالفین کو بھی سلامتی کی دعا دی گئی۔[55]

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ جو پہلی جنگ درپیش تھی اس کی نوعیت نفسیاتی تھی۔ جب تک وہ مکہ میں رہے کفار مکہ نے ان کا کمزور رخ ہی دیکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کو تر نوالہ سمجھتے تھے اور سوچتے تھے کہ وہ جب چاہیں مکہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ کفار مکہ کی اس غلط فہمی کو دور کریں۔ عرب قبائل بھی قریش مکہ کو مسلمانوں کے مقابلے میں ایک بہت بڑی طاقت سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ بآسانی قریش کے حلیف بن سکتے تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ عرب قبائل کے سامنے مسلمانوں کی مضبوط دفاعی حیثیت واضح کر دی جائے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن جہاد ملتے ہی ایسے اقدامات کا آغاز کر دیا جن سے دشمنان اسلام پر یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ مسلمان تر نوالہ نہیں بلکہ اپنا دفاع کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ میثاق مدینہ بھی اسی حکمت عملی کا حصہ تھا۔

مسلمانوں پر کفار مکہ کے بے پناہ مظالم کے باوجود ان کے تجارتی قافلے مدینہ کے راستے شام جاتے اور واپس آتے تھے۔ کفار نے مدینہ میں مسلمانوں کے اموال پر غاصبانہ قبضہ بھی کر رکھا تھا۔ اس بات کا بھی غالب امکان موجود تھا کہ قریش مکہ ان تجارتی قافلوں سے حاصل ہونے والے منافع کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں استعمال کریں گے۔ جیسا کہ ان کے دھمکی آمیز خطوط سے ظاہر تھا وہ کسی بھی وقت خفیہ طور پر مدینہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ وہ تجارتی سفروں کے دوران شام کے راستے پر آباد قبائل سے مسلمانوں کے خلاف جنگی معاہدے بھی کر سکتے تھے اور ان کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی بھی کرا سکتے تھے۔ ان تمام حالات میں مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ مدینہ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے اور اور اس وقت کا انتظار کرتے جب کفار مکہ پورے طور پر مسلح ہو کر اور عرب قبائل کو متحد کر کے مدینہ پر چڑھائی کر دیتے اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تمام صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے مدینہ کے دفاع کے لئے ایک جامع حکمت عملی اختیار کی۔آپؐ نے اطراف وجوانب میں جو مہمات روانہ کیں ان کے ذریعے مختلف عرب قبائل کے ساتھ روابط قائم کئے گئے ،ان کو اسلام کی دعوت دی گئی اور ان کے ساتھ امن کے معاہدے بھی کئے گئے۔ان مہمات کے ذریعے کفار کو یہ احساس بھی دلایا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف جارحانہ پالیسی برقرار رکھنے کی صورت میں ان کی اپنی تجارت بھی محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ان مہمات میں سے کچھ ایسی بھی تھیں جن میں مسلح تصادم ہوا، جانی نقصان کی نوبت بھی آئی اور بعض میں مال غنیمت بھی ملا۔

قریش کے خلاف ابتدائی مہمات کی روانگی کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد الغزالی لکھتے ہیں کہ اول تو ان مہمات کا مقصد مدینہ کے مشرکین اور یہود نیز گرد ونواح کے قبائل کو یہ پیغام دینا تھا کہ مسلمان اب اتنے کمزور نہیں رہے تھے کہ قریش کی طرح کوئی ان کی آزادی اور عقائد کے بارے میں جبر کر سکے۔لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اس طرح کی مہمات کے ذریعے ان کے دل میں ہیبت پیدا کی جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: { وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ }[56] **ثانیاً** ان مہمات کا مقصد قریش کو ان کی ظالمانہ کاروائیوں کے بارے میں یہ تنبیہ جاری کرنا تھا کہ اب مسلمان مزید ان کی زیادتیوں کو خاموشی سے برداشت نہیں کریں گے بلکہ ان کا بھرپور جواب دیں گے۔[57] شبلی نعمانی مدینہ میں مسلمانوں کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا مصائب گوناگوں کی آماجگاہ تھا۔مدینہ میں آکر اس کی کلفتیں دور ہوئیں۔مگر یہ خیال صحیح نہیں۔مکہ میں جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی ۔مدینہ میں آکر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی،مکہ کل ایک قوم تھا۔مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف اور ان کے حریف مقابل تھے ۔اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو میں آجاتا تو حرم کی وسعتِ اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہوجاتیں لیکن مدینہ کا اثر چاردیواری تک محدود تھا۔مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیض و غضب کی تاراج گاہ بنا دیا۔[58]

مستشرقین یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ انصار نے حضور ﷺ کے ساتھ صرف یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف آپؐ کا دفاع کریں گے جو آپؐ پر حملہ آور ہوں گے، ان کا آپؐ کے ساتھ یہ معاہدہ نہ تھا کہ وہ آپؐ کے ساتھ مل کر دوسروں پر حملہ آور بھی ہوں گے۔انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ایسے ہی خیالات کا اظہار یوں کیا گیا ہے:

انصار نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ صرف محمد (ﷺ) پر حملہ ہونے کی صورت میں ان کا دفاع کریں گے ، اور مکہ کے تاجر دشمنکاروائیوں کا آغاز کر کے آپ کو ممنون کرنے والے تھے۔مہاجرین نے جنگ کرنے کا عہد نہیں کیا تھااور خود مکہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنے ہی قبیلے اور خونی رشتہ داروں سے لڑنا ان کے جذبات پر بہت بھاری تھا۔[59]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انصار نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ان کی جان کی حفاظت کا جو عہد کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا رہا ہے کہ انصار نے صرف "حملہ" کی صورت میں آپؐ کے دفاع کا عہد کیا تھا۔مستشرقین کے نزدیک صرف "مشروط" عہد کے باوجود انصار ابتدائی غزوات میں اس لئے شامل ہوئے کہ وہ لوٹ مار میں مہاجرین کے ساتھ شریک بننا چاہتے تھے۔مستشرقین شاید یہ سمجھتے ہیں کہ مدینہ والوں کو معلوم نہ تھا کہ دیگر قبائل پر حملہ کرنے کا انجام کیا ہوگا۔کسی تجارتی کارواں یا کسی قبیلے پر حملہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں پر حملہ کیا گیاوہ کسی بھی وقت انتقامی کاروائی کے لئے مدینہ طیبہ پر حملہ کر سکتے تھے۔اہل مدینہ جنگجو لوگ تھے۔ان کو جنگ کا صدیوں کا تجربہ تھا۔وہ دشمن کی نفسیات سے واقف تھے۔دشمن پر حملہ کرنے کا انجام ان سے پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا۔اس لئے یہ کہنا بے بنیاد ہے کہ انصار مال غنیمت کے لالچ میں مہاجرین کے ساتھ غزوات و سرایا میں شریک ہوئے تھے۔حقیقت تو یہ ہے کہ آپؐ کی رسالت کا اقرار کرنے کے بعد انصار ہر طرح سے آپؐ کی اطاعت کے پابند تھے۔رسول کی اطاعت غیر مشروط اطاعت ہوتی ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔[60] لہٰذا یہ کہنا ہر لحاظ سے غلط ہے کہ انصار کا آپؐ کے ساتھ معاہد کسی بھی طرح سے مشروط نوعیت رکھتا تھا۔

کفار مکہ کے علاوہ دیگر قبائل کی طرف جو مہمات بھیجی گئیں، ان کے متعدد مقاصد تھے۔یہ مہمات یا تو دعوت اسلام کی خاطر تھیں، یا قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کرنے کی خاطر یا کسی قبیلے کو اس کی اسلام دشمنی کی سزا دینے کی خاطر تھیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ قبائل کے خلاف اکثر مہمات یہی مقاصد حاصل کر کے مدینہ طیبہ واپس آئیں۔

ابتدائی مہمات میں شریک مجاہدین کی تعداد کو دیکھا جائے اور اس کا موازنہ ان کے مد مقابل لشکر کی تعداد سے کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان مہمات کا مقصد حالات سے باخبر رہنا یا دشمن کو احساس دلانا تھا کہ مسلمان ہر حال میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ان مہمات میں مسلح ٹکراؤ مسلمانوں کے حق میں نہ تھا۔رمضان 1 ھ میں جو پہلی مہم حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں بھیجی گئی اس میں مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف تیس تھی اور قریش کے جس قافلے پر چھاپہ مارنے کے لئے یہ مہم روانہ کی گئی تھی اس کی حفاظت کے لئے ابو جہل کی سرکردگی میں تین سو مسلح قریشی تھے۔[61]حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی سرکردگی میں جو مہم بھیجی گئی اس میں مجاہدین کی تعداد صرف ساٹھ تھی اور ابو سفیان کی قیادت میں قریش کے جس دستے سے ان کا آمنا سامنا ہوا تھا، ان کی تعداد دو سو تھی۔[62]سریہ نخلہ میں صرف 12 مسلمان شریک تھے۔[63]حضور ﷺ کو اس حقیقت کا علم تھا کہ قریش اپنے قافلوں کے ساتھ بڑی تعداد میں مسلح محافظ بھیجتے ہیں۔اگر ان مہمات کا مقصد ان قافلوں پر ہر حال میں حملہ کرنا یا ان کو لوٹنا ہوتا تو ان مہمات میں شامل مجاہدین کی تعداد یقیناً زیادہ ہوتی۔

حاصل بحث

گزشتہ صفحات میں مستشرقین کی پیش کی گئی مختلف آراء اور ان کے تجزیاتی مطالعے کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ جہاد کی ان تمام استشراقی تعبیرات اور تشریحات کی بنیادیں مادی فکر پر استوار ہیں۔ غزوات و سرایا کی ان تعبیرات میں کبھی تو مستند تاریخی حقائق کو خلاف عقل قرار دے کر رد کر دیا جاتا ہے اور کبھی واقعاتِ سیرت کی اصل سیاق و سباق سے ہٹ کر ایسی تعبیر پیش کی جاتی ہے جس سے پہلے سے طے شدہ مخصوص نظریات کو درست ثابت کیا جا سکے۔ سیرت کے کسی بھی پہلو کا معروضی مطالعہ پیش کرنے کے لئے لازم ہے کہ مستشرقین مسلمانوں کو ڈکٹیٹ کرنے ،ان پر اپنا نظریہ مسلط کرنے اور سیرت رسول ﷺ کے بارے میں جانبدارانہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں۔انہیں اگر اپنی رائے میں کوئی وزن بنانا ہے تو لازم ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے دعویٰ رسالت کو آغاز ہی میں رد نہ کر دیں بلکہ اپنے تعصّبات سے بالاتر ہو کر اس دعوے کی سچائی پر اخلاص کے ساتھ غور کریں اور آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف واقعات کو اس دعوے کی روشنی میں پرکھیں۔ استشراقی آراء وافکار میں معروضیت صرف تب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب مستشرقین حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کی مادی تعبیرات کرنے سے گریز کریں اور آپؐ سے حصولِ طاقت وجاہ جیسی خواہشات منسوب کرنے سے باز آجائیں۔ان تعصّبات سے آزاد ہونے کے بعد اگر وہ سیرت النبیؐ پر قلم اٹھائیں گے تو یقیناً ان کے خیالات کو وقعت حاصل ہو گی۔

حوالہ جات

1 Thomas Carlyle, Sartor Resartus and On Heroes and Hero Worship, Everyman's Library, London, 1965, p.295

2 George Sale, The Koran, FrederickWarne&Company, London, 1890, p.38

3 IgnazGoldziher, Kate Chambers Seelye (Translator), Muḥammad and Islam, Yale University Press, London, p.8

4 D.S. Margoliouth, Mohammad and the Rise of Islam, G.P. Putman's Sons, New York, 1905, pp.238-239

5 Mohammed and Islam, p. 8

6 Ibid, p. 24

7 Gustav E Von Grunebaum, Classical Islam- A History 600-1258, (Translator: Katherine Watson), George Allen &Unwin, London, 1969, p.35

8 Tor Andrae, Mohammed: The Man and His Faith, (Translator: TheophilMenzil), Harper & Brothers, New York, 1960, p.140

9 W. Montgomery Watt, Islam and the Integration of Society, Routledge and Kegan Paul, London, nd, p.18

10 Bernard Lewis, The Arabs in History, Hutchinson House, London, 1950, p. 44

11 W. Montgomery Watt, Muḥammad at Medina, Oxford University Press, Karachi, 2004, p. 231

12 Ibid, p. 44

13 W. Montgomery Watt, Muḥammad: Prophet and Statesman, Oxford University Press, London,1961, p.108

14 Muḥammad: Prophet and Statesman, pp.126-127

15 ابن هشام،أبو محمد عبد الملك، السيرةالنبوية،شركةمكتبةومطبعة مصطفى البابي،مصر،1955م،595/1

Ibn Hashām, Abū Muḥammad Abd al-Mlik, *Al-Sīrah al-Nabawiyyah*, (Egypt: Muṣṭafā al-Bābi, 1955), 595/1

16 ایضاً، 591/1

Ibid, 591/1

17 ایضاً، 600/1

Ibid, 600/1

18 ایضاً، 591/1

Ibid, 591/1

19 ایضاً ، 598/1

Ibid, 598/1

20 ایضاً،160/1

Ibid, 160/1

21 ایضاً،599/1

Ibid, 599/1

22 ایضاً،604-603/1

Ibid, 603-604/1

23 ایضاً، 642-641/1

Ibid, 641-642/1

24 السیرۃالنبویۃ،45-44/2

Al-Sīrah al-Nabawiyyah,44-45/2

25 ایضاً، 50/2

Ibid, 50/2

26 ایضاً،105/2

Ibid, 105/2

27 ایضاً،102/2

Ibid, 102/2

28 ایضاً، 210/2

Ibid, 210/2

29 ایضاً، 233/2

Ibid, 233/2

30 الواقدی، محمد بن عمر بن واقد الأسلمي،کتاب المغازي، مؤسسة الاعلمی ، بیروت، س ن، 2/ 555

Al-Wāqidi, Muḥammad ibn Umar ibn Wāqid al-Aslamī, *Kitāb al Maghāzī*, (Beirut: Muassisah al-‘alamī,n.d.), 555/2

31 السیرۃالنبویۃ،412/2

Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 412/2

32 الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، مئی 2011ء، 593/7

Al Azhari, Pīr Muḥammad Karam Shāh, *Ziā al-Nabī* (P.B.U.H.), (Lahore: Ziā al-Qur’ān Publications, 2011), 593/7

33 البخاری، أبو عبدالله محمد بن اسماعیل ،الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازي،باب قصۃُغزوۃبدرٍ(3951)، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، الطبعة الرابعة، 2008ص:323

Al-Bukhārī, Abū Abd-Allah Muḥammad ibn Ismā’īl, *Al-Jāmi’ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Maghāzī, Bāb Qiṣṣatu Ghazwah Badr* (3951),(Riyādh, Dār al-Salām, 2008), p.323

34 W. Montgomery Watt, Muḥammad At Mecca, Oxford University Press, UK , 2006, pp.1-2

35 ابن اثیر، أبو الحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الجزری، الکامل في التاریخ،دارالکتاب العربی ، بیروت ، لبنان، 1997م،1/ 527

Ibn Athīr, Abū al-Ḥasan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad ibn Abd al-Karīm al-Jazrī, *Al-Kāmil fī Tārīkh*, (Beirut: Dār al-Kitāb al-Arabī,

1997), 527/1

36 ابن سعد، أبو عبد الله محمد البغدادي، الطبقات الكبرىٰ،دار صادر، بیروت، س ن،93/3

Ibn Sa'd, Abū Abd-Allah Muḥammad al-Baghdādī, *Al-Ṭabaqāt al-Kubrā*, (Beirut: Dār Ṣadir, n.d.), 93/3

37 ابن سید الناس، فتح الدين أبو الفتح الإشبيلي، عيون الأثر، دارالقلم، بیروت، 1993م،231/1

Ibn Sayyid al-Nās, Fatḥ al-Din Abū al-Fatḥ al-Ishbīlī, *'Uyūn al-Athr*, (Beirut: Dār al-Qalam, 1993), 231/1

38 H.A.R.Gibb, ,Mohammedanism, Oxford University Press, New York, 1964, p:29

39 Muḥammad at Medina, p.45

40 Ibid, p.52

41 C.R. North, An Outline of Islam, The Epworth Press, London, 1952, p.28

42 Mohammed and Islam, p.23

43 السیرۃالنبویة ،603-604/1

Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 603-604/1

44 البقرۃ 217:2

Al-Baqarah 2: 217

45 Arthur N. Wollaston, The Sword of Islam, John Murray, London, 1905, p.59

46 ابوداؤد،سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود، کتاب الخراج،باب في خبر النضير(3004)،دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، 2008م،ص:1449

Abū Dawūd, Sulaymān ibn al-Ash'ath, *Sunan Abī Dawūd, Kitāb al-Khirāj, Baab fī Khayr al-Nazīr* (3004), (Riyadh: Dār al-Salām, 2008), p.1449

47 الجامع الصحيح للبخاری،کتاب الجهاد،باب الحراسةفي الغزوفي سبيل الله (2885)،ص:232

Al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ li al-Bukhārī, *Kitāb al-Jihād, Bāb al-Ḥarāsah fī al-Ghazw fī Sabīl al-Allah,* (2885), p.232

48 المائدۃ 67:5

Al-Mā'idah 5: 67

49 الترمذی،محمد بن عیسی، جامع ترمذی، تفسیر القرآن، باب:ومن سورۃالمائدۃ (3046)،دارالسلام للنشروالتوزیع، ریاض، 2008م،ص:1959

Al-Tirmdhī, Muaḥmmad ibn 'Īsā, *Jāmi' Tirmidhī, Tafsīr al-Qur'ān, Bāb: wa min Sūraḥ al-Mā'idah* (3046), (Riyadh: Dār al-Salām, 2008), p.1959

50 مبارکپوری، صفی الرحمن ، الرحیق المختوم، المکتبة السلفية ،لاهور، 1995ء،ص:267

Mubarakpurī, Ṣafī al-Rahmān, *Al-Raḥīq al-Makhtūm*, (Lahore: al Maktabah as Ṣalfiyyah, 1995), p.267

51 السیرۃالنبویة ،591-606/1

Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 591-606/1

52 Edith Holland, The Story of Mohammed, George G. Harrap& Co., London, 1914, p.111
53 Edward Gibbon, The History of Decline and Fall of the Roman Empire, The Modern Library Edition, New York, 677/2
54 Thomas Carlyle, Sartor Resartus and On Heroes and Hero Worship, Everyman's Library, London, 1965,p.295
55 Karen Armstrong, Muḥammad Prophet for our Time, Harper Collins Publishers, London, 2006, p.12

56 الانفال8:60

Al-Anfāl 8: 60

57 الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد ، فقه السيرة،دارالقلم، دمشق، 1976م، ص:228-229

Al-Ghazālī, Abū Ḥamid, *Fiqh al-Sīrah*, (Damascus: Dār al-Qalam, 1976), pp.228-229

58 شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، الفیصل ناشران، لاہور، س ن ،1/ 186

Shiblī No'māni, Sayyed Sulaymān Nadwī, *Sīrat al-Nabī* (P.B.U.H), (Lahore: Al Faiṣal, n.d.), 186/1
59 Encyclopaedia of Islam, Leiden, New York, 1993, 369/7

60 النساء 4:80

Al-Nisā 4:80

61 السيرةالنبوية ،1/ 595

Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 595/1

62 ایضاً، ایضاً

Ibid, Ibid

63 ایضاً،601/1

Ibid, 601/1